ڈاکٹر شکیل اوج کے تفردات

مفتی قطب الدین عابد
مدیر نظارت المعارف القرآنیہ، کراچی
ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

ABSTRACT:

Dr. Shakil Auj is an Islamic scholar belonging to the prestigious university of the country, named University of Karachi, where he is a teacher of Fiqh and Tafseer e Quran in the Department of Islamic Learning. He is a researcher having grip over vast knowledge of Islamic Studies. He is the author of various books, treatises and Editor of three Research Journals. His research journal, named as Al-Tafsir is recognized by HEC. His writings are different from rest of others, and show individuality. Being unique among other, his writings show command, specialty and grip over Islamic Studies. He has excellent command over the Quranic Studies and most of his articles are written in the light of Quran. Some of the articles are discussed in the following article as an example. In the following examples, his uniqueness/individuality is more clear and evident:

A) Nikah e Misyaar

B) Issue of abrogation verses & Shah Wali Ullah Dehlavi

C) Dose All Non-Muslims on a void path

D) Ablution Justified in the presence of Nail polish

E) Marriage issue of Muslim women with non-Muslims (Ahl-e- Kitab) pious men.

F) The meaning and description of "Magfirat -e- Zunb"

G) Reason of going outside of their homes regarding women with their uncovered faces.

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج ملک کی قابل فخر درس گاہ جامعہ کراچی کے شعبہ علوم اسلامی میں فقہ وتفسیر قرآن کریم کے مایہ ناز استاد ہیں۔ آپ بحر علم کے شناور اور علی الخصوص اپنے متعلقہ مضامین پر کامل دست گاہ رکھتے ہیں۔ پیچیدہ و معلق فقہی مسائل ہوں یا دقیق ومشکل تفسیری مقامات ونکات آپ اپنی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی کے تمام سازوسامان بروئے کار لاکر علم وفن کی ہر الجھی ہوئی گتھی کو نہایت ہنر کاری سے سلجھانے پر ماہرانہ دسترس رکھتے ہیں۔

درسگاہ میں طلبہ کے سامنے ان کی تقریر ہو، کسی علمی مجلس میں ان کے محاضرات ہوں یا کسی وقیع علمی رسالے میں ان کے مقالات ومضامین، ہر موقع ومقام پر ان کی ''علمیت'' خوب خوب جلوہ نما ہوتی ہے۔ کسی شخص میں یہ خوبی اس وقت در آتی ہے جب اس کی ذات اور مزاج علم کے پیکر میں مکمل طور پر ڈھل جائیں۔ ڈاکٹر صاحب پر قدرت کی یہ فیاضی ہے کہ وہ طبعاً ومزاجاً صاحب علم ہیں، سوان کے ہر انداز وادا سے علم کا ظہور ہوتا ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء. شاعر کی روح سے معذرت کے ساتھ

یہ رتبۂ بلند ملا، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے ''علم وہنر'' کہاں

جیسا کہ ہم جانتے ہیں علم وفضل میں بلند مقام ومرتبے کے حاملین کی کسی دور میں کمی نہیں رہی۔ ہر دور میں ان کی تعداد وشمار وحساب سے باہر ہی رہی ہے مگر ''مقام اجتہاد'' تک ہر کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ بہت ہی کم آئے میں نمک برابر ایسے ہوتے ہیں جو علم وفن کی گھاٹیوں میں نہ صرف اپنے لیے نئے نئے راستے خود تلاش کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنی اختیار کردہ راہ پر ڈال دیتے ہیں اور لوگ ان کے علم ودیانت اور تحقیق وتدقیق پر اعتماد (تقلید) کرتے ہیں۔ کمال کے اس درجے پر فائز لوگ ''ائمہ اجتہاد'' کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ائمہ اجتہاد کے بتائے گئے راستے (اصول) میں سے لوگوں کی آسانی کے لیے رشد وہدایت اور علم وفن کی مزید پگڈنڈیاں نکال لیتے ہیں، ایسے لوگوں کو ''مجتہدین فی المذہب'' کہا جاتا ہے۔ پھر عام محققین کی جماعت ہوتی ہے، جو اپنی کاوشوں اور تحقیقات سے امت کی وقت بضرورت اور موقع ومقام کے لحاظ سے رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے امت کی کوکھ اس حوالے سے تاریخ کے کسی بھی دور میں بانجھ نہیں ہوئی۔ ہر دور میں محققین کی مؤثر جماعت اپنی عالمی تحقیقات کی جگمگ جگمگ قندیلوں سے امت مرحومہ کی راہیں روشن کرتی رہی ہے۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج دامت برکاتہم بھی اسی قافلے کے نہ صرف اہم فرد ہیں، بلکہ بعض علمی مسائل ومباحث میں ان کی سب سے الگ اور نرالی ''شان'' سے تو ان پر سرگروہ اور سرخیل ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

تفرد ایک علمی اصطلاح ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی صاحب علم وفضل اور ماہر فن' علم وفن کے تمام تقاضوں سے مکمل آگاہ اور باخبر ہوتے ہوئے کسی مسئلے میں علمی دلائل کی بنیاد پر جمہور اہل علم سے الگ رائے قائم کرے۔ جمہوریت کے مقابلے میں یا اہل علم کے اجماعی فیصلے کے برخلاف ایسی کسی رائے کے رد وقبول کی بحث میں پڑے بغیر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ بجائے خود تفرد اختیار کرنا کسی صاحب علم کی تبحر علمی اور امتیازی شان علمی کی بین دلیل ہے۔ مختصراً یہ کہ ''تفرد'' اختیار کرنا بھی ہر کس وناکس اور ہما شما کے بس کا روگ نہیں، یہ اسی کا جگر ہو سکتا ہے جس کا دل علم وفضل کی وسعتوں کو محیط ہو۔ بلاشبہ ڈاکٹر شکیل اوج مدظلہ بھی اپنے وفور علم، وسعت مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذہانت وفطانت کے بل پر اس شان کے حامل ہیں کہ بہت سے مسائل میں دلائل کی بنیاد پر جمہور اہل علم سے الگ رائے رکھتے ہیں۔ جو خطا وصواب اور رد وقبول کے مناقشے سے قطع نظر ان کے صاحب علم ہونے پر واضح دلیل ہے۔ ذیل میں نقد ونظر سے احتراز کیے بغیر اور بلا تبصرہ ان مسائل کی نشان دہی کی جاتی ہے، جن میں ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے جمہور اہل علم سے اپنی راہ الگ کی ہے۔ علمی زبان میں ان مسائل کا ذکر کیا جائے گا جن میں انہوں نے تفرد اختیار کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے تفردات چننے کے لیے ہم نے ان کے ان مقالات ومضامین کا انتخاب کیا ہے، جو مختلف موضوعات پر موقر سہ ماہی التفسیر (کراچی) میں مختلف مواقع پر شائع ہوئے ہیں۔

نکاح مسیار کا جواز

یہ نکاح کے باب میں ایک جدید مسئلہ ہے، جس نے بعض عرب ملکوں میں بطور خاص سر اٹھایا ہے، جو متعہ کی طرح عند الجمہور ناجائز ہے۔ نکاح مسیار خود ڈاکٹر صاحب کے بقول'' .... اس نکاح میں مرد وعورت بالکل عام طریقے سے رشتہ ازدواج میں بندھتے ہیں مگر اس میں مرد کا کردار عورت کے حق میں غیر کفالتی ہوتا ہے یعنی وہ بیوی کی طرف سے کسی بھی معاشی ذمے داری سے دور رکھا جاتا ہے اور یہ بات بوقت نکاح یا قبل از نکاح مرد کے ساتھ طے کر لی جاتی ہے۔''(۱)

ڈاکٹر صاحب اپنے اسی گراں قدر مقالے میں نکاح مسیار کے جواز کے سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''انعقاد نکاح کی تمام صورتیں مسیار میں اگر پائی جاتی ہوں تو ہم اسے نکاح صحیح قرار دینے پر مجبور ہیں۔ فقہاء نے نکاح کی شرائط کو تین انواع میں تقسیم کیا ہے: (۱) شرائط انعقاد نکاح (۲) شرائط جواز نکاح (۳) شرائط لزوم نکاح۔ انعقاد نکاح کی پہلی شرط عقل، دوسری بلوغ اور تیسری رضامندی ہے۔ یہ وہ شرائط ہیں کہ جن کا تعلق مجلس عقد سے ہے۔ مرد کے ذمے نکاح کے تعلق سے دو اہم فرائض عاید ہوتے ہیں۔ (۱) مہر کی ادائی (۲) نان ونفقہ کی ادائی مگر عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مہر کو بالکلیہ یا اس میں سے کچھ حصہ واپس کر دے یا ادائی سے قبل ہی اسے جزئیاً یا کلیتاً معاف کر دے .... تاہم عام حالات میں اس طرح کے نکاح یقیناً مفید بھی ثابت ہو سکتے ہیں اور معاشرے میں زنا کو روکنے کا ذریعہ بھی۔ اس لیے اسلام نے

جواز کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔"(۲)

مسئلہ نسخ

قرآن کریم میں نسخ ثابت ہے یا نہیں مفسرین اور محققین میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ جمہور امت اللہ تعالیٰ کے ارشاد ما ننسخ من آیۃ او ننسھا (البقرہ۔ ۱۰۶) سے استدلال کرتے ہوئے قرآن کریم میں نسخ کے اثبات کے قائل ہیں، جبکہ اس کے برخلاف ہر دور میں ایسے محققین بھی موجود رہے ہیں، جو نسخ کا یا تو آیت مذکورۃ الصدر کی تاویل کرتے ہوئے انکار کرتے رہے یا جہاں جہاں نسخ کی بحث رہی وہاں تطبیق کے قائل رہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب بھی جمہور سے اپنے "تفرد" میں "تطبیق المسلک" ہیں۔ چنانچہ موقر رسالہ التفسیر میں اپنے تحقیقی مضمون بعنوان "مسئلہ نسخ اور شاہ ولی اللہ دہلوی" اپنے تطبیقی تفرد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شاہ ولی اللہ دہلویؒ متاخرین کی اس اصطلاح کے مطابق صرف پانچ آیات میں نسخ تسلیم کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے بقول پہلے علماء قرآن مجید میں پانچ سو آیات منسوخ مانتے رہے لیکن جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں صرف بیس آیات میں نسخ کو تسلیم کیا ہے۔ شاہ صاحب ان بیس آیات میں سے پندرہ میں اس طرح تطبیق کرتے ہیں کہ ان کا منسوخ ہونا ساقط ہو جاتا ہے"

میرے نزدیک شاہ صاحب کا یہ علمی کارنامہ مینارۂ نور کی حیثیت کا حامل ہے، اس لیے میں نے ان کی لاینحل پانچ آیات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی سعی کا فیصلہ کیا ہے"۔(۳)

آگے اس مقالے کے اندر، اوپر اپنے بیان کردہ رجحان کے مطابق ڈاکٹر صاحب اپنے تئیں دلائل کی بنیاد پر بڑے منطقی انداز میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے "بقیۃ السلف" (ڈاکٹر صاحب کے بقول لاینحل) پانچ مقامات میں تطبیق کی سعی بلیغ کرکے قرآن کریم میں نسخ کے وقوع واثبات کی نفی کا کام مکمل کرتے ہیں کہ باقی میں وہ حضرت شاہ صاحب دہلویؒ کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس تطبیقی عمل میں وہ دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبیداللہ سندھی، مفتی احمد یار خان نعیمی اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری جیسی علمی شخصیات کی تحقیقات اور تطبیقات سے بھی استمداد کرتے ہیں۔

غیر اہل اسلام کا استحقاق

قرآن کریم کی نصوص ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔ (آل عمران۔ ۸۵) ان الدین عند اللہ الاسلام (آل عمران۔ ۱۹) وغیرہ کے بموجب جمہور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ غیر اہل اسلام اہل باطل ہیں۔ کیوں کہ ان نصوص کی صراحت اس بات پر ہے کہ اسلام ہی حق ہے اور اسلام کا غیر باطل ہے۔ سو اللہ کے نزدیک غیر اہل اسلام چاہے جس قدر نیک اعمال کے حامل ہوں کوئی وقعت نہیں رکھتے کہ خدا نے اپنی بندگی کا معیار اسلام مقرر کر دیا ہے۔ تاہم کچھ محققین اس معاملے میں کچھ دوسری آیات قرآنیہ کی دلالت واشارت اور بعض تاویلات (بیشتر صورتوں میں "بارد" کے قبیل کی) کے سہارے غیر اہل اسلام میں سے سلیم الفکر قسم کے افراد کو "مسلم" اور کبھی حق پر ثابت کرتے رہے ہیں۔ امثال سے اعتناء کیے بغیر یہاں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے

کہ ان حضرات میں ڈاکٹر اوج صاحب دامت برکاتہم بھی شامل ہیں۔

مسئلہ زیر بحث میں ان کا تحقیقی مقالہ ''کیا غیر مذاہب کے تمام پیروکار باطل پرست ہیں؟'' پیش نظر ہے، جس میں وہ اسی منفرد رائے کے حامل اور اس کے پرجوش وکیل کے طور پر سامنے آرہے ہیں۔ اپنے وقیع مقالے میں داد تحقیق دیتے ہوئے بطور تمہید فرماتے ہیں:

> ''قرآن مجید نے اپنے زمانۂ نزول میں غیر مذاہب کے ماننے والوں کو جس رنگ میں دیکھا اور دکھایا ہے، وہ قرآن فہمی کا ایک مستقل موضوع ہے اور اپنی وسعتوں کے اعتبار سے ہمہ جہت بھی۔ بدقسمتی سے عمومی سطح پر اس موضوع کو خالصتاً اور کلیۃً منفی انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس بنیاد پر غیر مذاہب کے پیروکاروں سے ایک تھکا دینے والی جنگ شاید غلط یا پھر غیر ضروری طور پر چھیڑ دی گئی ہے، جسے ستم ظریفی سے اقدامی جہاد کا عنوان دے کر قرآن کی کوئی ایسی مطلوبہ قدر بنا دیا گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ حکومتی اقتدار کی صورت میں ظاہر ہو۔ اسی لیے اب اکثر مذہبی شدت پسندوں کی تمام تگ و دو کا محوری نکتہ حصول اقتدار ہے۔
>
> قرآن کے تصور جہاد سے قطع نظر کہ وہ اس ضمن میں مسلمانوں کو کیا تفصیلی ہدایات دیتا ہے سر دست ہمیں اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ قرآن نے غیر مذاہب کے پیروکاروں کو شروع سے ہی دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جس سے از روئے حسد و بغض اور تعصب و جہالت مخالفت کا سامنا ہوا اور دوسرا وہ جس کی طرف سے عملاً ایسا کوئی معاندانہ رویہ سامنے نہ آیا۔ ان میں سے پہلا حصہ کفار کہلایا، جبکہ دوسرا حصہ اسلام کے تناظر میں غیر مسلم اور خود اپنے تناظر میں بعض حالات میں مسلم کہلایا۔ قرآن مجید نے غیر مذاہب کے انہی پیروکاروں کا نہایت قطعیت کے ساتھ مثبت انداز اور امید افزا لہجے میں ذکر فرمایا ہے۔'' (۴)

آگے سورۃ النساء کی آیت ۱۶۲ الٰکن الراسخون فی العلم..... الآیہ کے ضمن میں استدلالی انداز اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اس آیت میں بعض یہود و نصاریٰ کو راسخون فی العلم اور مومنون کے وصف کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ گویا انہیں اپنے مذہب کا پہلے سے سچا مومن قرار دے کر قرآن پر ایمان لانے والا بتایا گیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ہر مذہب میں سچے اور اچھے لوگ ضرور ہوتے ہیں اور وہ اپنے مذہب کے مومن ہوتے ہیں، اس لیے کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کو ایک لکڑی سے ہانکنا خود قرآن کے خلاف ہے۔ کسی بھی مذہب کا اچھا آدمی بہر حال اچھا ہوتا ہے اور کسی بھی مسلک نظریے کا برا آدمی بہر حال برا ہوتا ہے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے، فی زمانہ اسے سمجھنے کی شدید ضرورت ہے'' (۵)

اسی مقالے میں نتیجۂ بحث کے طور پر اصل اظہار مدعا کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں:

> ''مذکورہ بالا آیات سے اس نتیجے تک پہنچنا مشکل نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کو اب پوری دنیا میں ایک نئے طرز عمل اور انداز فکر کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور بالخصوص تمام مذاہب کے پیروکاروں کو اپنا دشمن سمجھنے کی

> ضرورت نہیں۔ نیز اب مسلمانوں کو بہت واضح طور پر کافروں اور غیر مسلموں میں بھی فرق کرنا پڑے گا، بلکہ شاید کہیں کہیں غیر مسلموں کو خود ان کے اپنے تناظر میں مسلمان بھی سمجھنا پڑے گا .... مطلب یہ کہ قرآن مجید نے اپنے نزول کے وقت جن غیر مذاہب کے بعض لوگوں کو اچھا اور عمدہ انسان تصور کیا ہے، آج ہمیں اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرنا ہے تا کہ مسلمانوں کی دنیا بھر کے تمام انسانوں کے ساتھ مثبت Co-existance ہو سکے، جس کی بحیثیت مجموعی تمام انسانوں کو سخت ضرورت ہے۔"(۶)

نیل پالش کے ساتھ وضو کا جواز

ناخن پالش جو ہمارے ہاں خواتین استعمال کرتی ہیں، علمائے احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے وضو نہیں ہوتا اور یہی آج کا مفتیٰ بہ قول ہے۔ علمائے دین متین اور مفتیان دین متین کا یہ ماننا ہے کہ اگر پالش کی تہہ ناخن پر جم گئی ہو تو وہ حارج ہے اور پانی کے ناخن تک پہنچنے سے مانع ہے، اس لیے ناخن تک پانی نہ پہنچنے کے باعث ناخنوں پر پالش لگانے کی صورت میں تہہ اتارے بغیر وضو نہیں ہوگا۔ تاہم ڈاکٹر شکیل اوج مدظلہ نے اس باب میں یہ الگ راہ اپنائی ہے کہ ناخن پالش کے ہوتے ہوئے بھی وضو ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے خوب داد تحقیق دی ہے اور دقیقہ رسی کا کمال آشکار کیا ہے۔ حق یہ کہ اس فقہی مسئلے میں انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے آیئے ان کے دلائل سے مزین "شاندار تفرد" سے تھوڑا حظ اٹھالیں۔ وہ اپنے وقیع مضمون بعنوان "نیل پالش کے ساتھ وضو کے جواز کا مسئلہ" میں ابتدائی بحث کے بعد لکھتے ہیں۔

> "یہ بات ہر مسلمان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ غسل میں تین چیزیں فرض ہیں: فرض الغسل: المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن منه (۱) منہ کا اندر سے اچھی طرح دھونا (یعنی غرارہ کرنا) (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) ایک مرتبہ پورے بدن کا دھونا۔

اس تعریف کی رو سے بتایئے کہ منہ میں اگر بتیسی لگی ہو یا سونے کے دانت لگے ہوں یا دانتوں کو سونے یا چاندی کے تاروں سے باندھا گیا ہو تو غرارہ کی صحت کو تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ اس بارے میں عام فتویٰ یہی ہے کہ غرارہ کی صحت کو تسلیم کیا جائے گا۔ اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ جب مصنوعی دانتوں اور سونے چاندی کے تاروں نے جلد حقیقی کو اپنے وجود سے مستور رکھا اور پانی کو وہاں تک پہنچنے نہیں دیا تو غرارہ کیسے ہو گیا؟ (واضح رہے کہ غسل کی صحت کا دارومدار غرارہ کی صحت پر بھی ہے)

یہ سوال اس لیے اٹھایا گیا ہے کہ نیل پالش کے بارے میں کہا یہی جاتا ہے کہ وہ ناخن کو مستور کر دیتی ہے۔ ناخنوں پر تہہ (Layer) چڑھا دیتی ہے اور پانی کو ناخن تک پہنچنے نہیں دیتی، اس لیے وضو نہیں ہوتا۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ جس دلیل سے وضو نہیں ہوتا، اسی دلیل سے غرارہ بھی نہیں ہونا چاہیے، وگرنہ یہ تو ایک ہی طرح کے مقدمے میں دو طرح کے فیصلے ہوں گے۔"(۷)

آگے زیر بحث مسئلے میں وہ حضرت عرفجہ بن سعد کی ناک کٹ جانے کے بعد چاندی کی ناک لگوانے اور بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی جگہ سونے کی ناک لگوانے کی ہدایت والی حضرت عبدالرحمٰن بن عرفجہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ حدیث نیل پالش کے ساتھ وضو و غسل کے جواز میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ نے پہلے چاندی کی اور پھر سونے کی ناک لگوائی یہ ناک جسامت کی حامل تھی، جس نے جلد حقیقی کو چھپایا تھا۔ یہ صحابی اس مصنوعی ناک کے ساتھ وضو اور غسل فرماتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ناک ان کی اصلی تو نہ تھی بلکہ اطلاقی تھی مگر اس جلد اطلاقی کو جلد اصلی کے قائم مقام ہی سمجھا جاتا تھا، اس لیے انہیں وضو اور غسل کے وقت ناک ہٹانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کو ناک کے نیچے کی جگہ (جو کہ جلد حقیقی پر مشتمل تھی) خشک رہتی تھی مگر جلد اطلاقی کو حکمی طور پر جلد حقیقی پر محمول کیا جاتا تھا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ نیل پالش کا مسئلہ بھی اس حدیث کی رو سے سمجھا جا سکتا ہے۔ نیل پالش دراصل جلد اطلاقی کے حکم میں ہے، جو جلد حقیقی کو چھپا دیتی ہے، اس لیے حکمی طور پر اسے حضرت عرفجہ کی ناک کی طرح جلد حقیقی پر محمول کیا جا سکتا ہے''(۸)

آگے ڈاکٹر صاحب مدظلہ اپنے مدعا کو مزید مبرہن کرنے کے لیے فقہی اصول عدم حرج اور تلافیِ تکلیف وغیرہ سے بھی استناد کرتے ہیں اور یوں نیل پالش سے وضو نہ ہونے کے متفق بہ قول کے مقابل اس صورت میں جواز کا مدلل و مبرہن تفرد پیش کرتے ہیں۔

محصنینِ اہلِ کتاب سے مسلم عورتوں کے نکاح کا جواز

اہلِ کتاب سے مناکحت کے باب میں قرآن کریم کے حکم کے بموجب کتابیہ عورتوں سے نکاح کے نفس جواز میں جمہور متفق ہیں اور ایسا ہی اتفاق مسلم عورت کے کتابی مرد سے نکاح کے عدم جواز میں بھی ہے، جبکہ فی زمانہ جمہور اہل علم کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جدیدیت کے اس دور میں چوں کہ یہود و نصاریٰ مذہب کا قلادہ گردن سے اتار پھینک چکے ہیں اور وہ بھی ملحد و لادین ہو چکے ہیں اس لیے وہ اہلِ کتاب کے حکم میں نہیں رہے، اس لیے ان کے ساتھ مناکحت کی یہ صورت بھی جائز نہیں کہ کوئی مسلمان کتابیہ خاتون سے عقد نکاح کر لے، جبکہ ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج ہر دو بلکہ سہ صورتوں میں جمہور کے اتفاق سے عدم اتفاق کرتے ہوئے دلائل کی بنیاد پر اپنے لیے الگ راہ چنتے ہیں۔ ہمارا مطمحِ نظر چونکہ نقد و نظر نہیں ہے، اس لیے بلا کم و کاست اس باب میں ان کے تفرد کی کچھ جھلکیاں پیش کیے دیتے ہیں۔ اپنے گراں قدر تحقیقی مضمون میں موصوف ارشاد فرماتے ہیں:

> ''دراصل اہلِ کتاب سے نکاح کے بارے میں قرآن مجید نے ہمیں جو اصول دیا ہے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:
>
> والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين اوتو الكتاب (المائدہ: ۵)
>
> محصنات کا معنی اس مقام پر پاک دامن اور باکردار عورتوں سے کیا گیا ہے، پھر جس طرح محصنات کا لفظ مؤمنات کے لیے استعمال ہوا ہے، اسی طرح الذین اوتو الکتاب کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ عقد نکاح میں اصل چیز عورت کی پاک دامنی اور باکرداری ہے۔ پاک دامن عورت خواہ وہ مسلمان ہو

> یا اہل کتاب دونوں سے یکساں طور پر نکاح جائز ہے، البتہ مسلمان عورت سے نکاح یقینا قابل ترجیح ہوگا، اس لیئے کہ پہلے اس کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن اگر مسلمان عورت کے مقابلے میں کوئی اہل کتاب عورت زیادہ با کردار اور پاک دامن ہو تو اسے مسلم عورت پر ترجیح حاصل ہونی چاہیئے، کیوں کہ قرآن کریم میں اس جگہ بطور خاص 'احصان' پر زور دیا گیا ہے۔(۹)

یہ تو تھا کتابیہ عورت سے عقد نکاح کے جواز کے سلسلے میں ان کا نکتۂ نظر۔ اب جانیئے کہ مسلم عورت کے اہل کتاب مرد سے نکاح کے باب میں ان کے ذہن سے کس طرح کا ''دبنگ تفرد'' پھوٹتا ہے۔ اسی مقالے کے اختتام پر ان کی یہ عالمانہ اور فاضلانہ بحث ملاحظہ کیجئے:

> ''بعض کا خیال ہے کہ اہل کتاب مردوں سے نکاح اس لیئے ممنوع ہے کہ نسب باپ سے چلتا ہے، مگر اس خیال کے جواب میں ہمارا موقف یہ ہے کہ نسب کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بے شک نسب باپ سے چلتا ہے مگر مذہب باپ سے نہیں چلتا۔ اکثر صحابہ کے والدین مومن نہیں تھے۔

اسلام کو جب ''اہل کتاب ماں'' بچے کی بنیادی درس گاہ اور فطری معلّمہ ہونے کی حیثیت سے بخوشی قبول ہے تو اہل کتاب باپ کیوں قبول نہ ہوگا؟ کیا ''اہل کتاب'' باپ بچے کے لیئے اپنے اثر و نفوذ میں کسی مسلم ماں سے بڑھ کر کردار ادا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اختیار مذہب میں آخر مسلم عورت کے کردار کو اتنا غیر اہم کیوں سمجھا گیا ہے؟ بہر حال یہاں ہمارے نزدیک نسب کو مذہب سے منسلک کرنا مناسب نہیں ہے۔''(۱۰)

مغفرت ذنب کا معنی و مفہوم

قرآن مجید کی سورہ الفتح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ......الایہ اس آیت کریمہ میں ذنب کی تعیین و تفہیم میں مفسرین کرام نے اپنے اپنے مزاج و مذاق کے مطابق مختلف الفاظ اختیار کیئے ہیں۔ یوں یہ لفظ اپنے معنی و مفہوم کی ادائی میں مفسرین میں مختلف فیہ رہا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپنی طبع علمی اور ذوق تدقیق کے تحت یہاں بھی ایک تطبیقی طرز کا خوب صورت تفرد اختیار کیا ہے۔ وہ اپنے وقیع مقالے میں اردو کے بیشتر مفسرین کی آراء کو نقد و جرح سے گزارنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

> ''اب اگر مغفرت ذنب کا معنی گناہوں کی بخشش لیا جائے تو اس بات کا آمدہ کی تینوں باتوں سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا اور نہ ہی فتح مبین کا اس سے کوئی تعلق جڑتا ہے۔ غرض اس طرح کا ترجمہ اس مقام پر بالکل بے جوڑ، بے محل دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ پورے قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی گناہ کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ملتا، اس لیئے یہ ترجمہ بجائے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات پر ایک الزام دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح کے ترجمے پڑھ کر بعض مستشرقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گناہ گار ہونے کی پھبتی کسی ہے۔ جیسا کہ شاہ عبدالحق حقانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: بعض نصاریٰ نے معمولی گناہ

سمجھ کر آنحضرت پر گناہ گاری کا الزام قائم کر دیا اور اس پر طرح طرح کے برے نتائج پیدا کر لیے'' (۱۱)

قرآن کے علاوہ حدیث وسیر و تاریخ سے بھی پتا چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے قبل عرب معاشرے میں پاک باز، راست باز اور فرشتہ صفت انسان مانے جاتے تھے۔ لوگ آپ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ آپ کی اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی خود آپ کی نبوت کی بہت بڑی دلیل تھی، اس لیے ذنبک کے معنی آنحضرت کے گناہ نہ تو قرآن کریم کی رو سے درست ٹھہرتے ہیں اور نہ تاریخ کی رو سے۔

عورتوں کا کھلے چہرے کے ساتھ گھر سے باہر کردار کا جواز

قرآن کریم کی آیت جلباب، آیت غض بصر نیز احادیث وآثار کے ایک وقیع ذخیرے سے استشہاد کرتے ہوئے جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ عورت کے پردے میں چہرہ بنیاد ہے، چہرے کے پردے سے پورے بدن کا پردہ ہے، چہرہ کھلا اور بے نقاب ہے تو پردے کا منشاء پورا نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ ہر دور میں امت کے درمیان اجماعی اور متواتر رہا ہے، تاہم بعض محققین قرآن کریم کی ان ہی نصوص، جن سے جمہور نے چہرے کے پردے کا اثبات کیا ہے، میں تاویل اور تحقیق کی بنیاد پر یہ رائے اختیار کی ہے کہ چہرہ پردے کی بنیاد نہیں اور نہ ہی چہرے کا پردہ منصوص ہے۔ حضرت ڈاکٹر شکیل اوج صاحب بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا مقالہ بعنوان ''عورتوں کا کھلے چہروں کے ساتھ بیرون خانہ زندگی میں کردار'' زبردست تحقیقی شاہکار ہے۔ مقالے کی ابتداء میں اپنے موقف پر دلائل قائم کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

پہلی دلیل:

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم (النور)

اس آیت میں مردوں کو غض بصر کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم اسی وقت قابل فہم ہو سکتا ہے کہ جب عورتوں کے چہرے کھلے ہوں (نکتہ آفرینی کی داد دیجئے، جو ڈاکٹر صاحب کی دقیقہ سنجی پر دال ہے، ق ع) اگر چہرے ملفوف ہوں تو مردوں کو غض بصر کا حکم دینا بے معنی ہوگا۔ دوسرے یہ کہ من ابصارھم میں من تبعیضیہ ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ نامحرم عورتوں کو اس طرح دیکھنا کہ گویا مردوں کی شعاع بصری ان کا احاطہ کر رہی ہے، ممنوع ہے یعنی سر تا پا گھور کر دیکھنا یا ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا منع ہے نہ کہ اچٹتی ہوئی نظروں سے۔

غض بصر کے معنی اقرب میں یہ لکھے گئے ہیں معہ مالا تحل لہ رؤیۃ یعنی اپنی آنکھ کو اس چیز سے روکا جس کا دیکھنا منع ہے۔ مطلب یہ کہ بنظر شہوت دیکھنا ممنوع ہے۔ ام شریک رضی اللہ عنھا کے حوالے سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا (ام شریک) ایک ایسی عورت ہے کہ اس کے پاس میرے اصحاب کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ یہ روایت نقل کرنے کے بعد علامہ سعیدی فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنھم حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا کی زیارت کرتے تھے اور ان کی نیکی کی وجہ سے بکثرت ان کے پاس آتے جاتے تھے۔'' (۱۲)

اسی انداز میں داد تحقیق دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اپنے اسی وقیع مضمون میں آگے ایک جگہ یہ تحریر فرماتے ہیں:

''انتہا پسند مذہبی طبقوں کی خواتین میں آج جس نوعیت وہیئت کا پردہ رواج پا چکا ہے، اس پردے کے

ساتھ یہ ناممکن لگتا ہے کہ کوئی عورت کاروبار کر سکے، کسی ہنگامی حالت میں بطور معاون مردوں کی شریک ہو سکے۔ ہنگامی و دیگر جنسی کے حالات میں ضرورت مندوں کی مدد کے لیے گھر سے باہر نکل سکے، کسی جنگ میں شریک ہو سکے، اجنبی مجاہدین کے لیے کھانا تیار کر سکے، زخمیوں کو پانی پلا سکے اور بوقت ضرورت ان کی نرسنگ کر سکے" (۱۳) (جس پر موصوف نے تاریخ و سیر سے بڑے ٹھوس شواہد پیش کیے ہیں۔ ق، ع)

اسی پر بحث کو سمیٹتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ، آمین

حوالہ جات

۱۔ (کیا سیاہ خضاب جائز ہے؟ سہ ماہی التفسیر جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء) ص ۳۳۔

۲۔ (کیا سیاہ خضاب جائز ہے؟ سہ ماہی التفسیر جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء) ص ۳۳/۳۶

۳۔ (مسئلہ نسخ اور شاہ ولی اللہ)، سہ ماہی التفسیر، اپریل تا جون ۲۰۰۹ء، ص ۹

۴۔ (کیا غیر مذاہب کے تمام پیروکار اہلِ جنت ہیں؟) سہ ماہی التفسیر، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء، ص ۱۳،

۵۔ ایضاً، ص ۱۴۔

۶۔ ایضاً، ص ۲۵،

۷۔ (نیل پالش کے ساتھ وضو کے جواز کا مسئلہ، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء، ص ۵۲،

۸۔ ایضاً، ص ۵۳،

۹۔ (تحسین دل، کتاب مسلم عورتوں کا تاج)، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۲،

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۳،

۱۱۔ (مغفرتِ ذنب کا معنی و مفہوم) التفسیر اپریل تا جون ۲۰۰۷ء، ص ۱۵،

۱۲۔ (عورتوں کا کھلے چہروں کے ساتھ بیرونِ خانہ زندگی میں کردار) التفسیر جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۳۔۴،

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۱